اسلام کا نظام امن و امان

از

(جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب. مفتاحی دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

انسان میں اللہ تعالیٰ نے متضاد قوتیں ودیعت کی ہیں، چنانچہ جہاں اس میں دور اندیشی و فرض شناسی کے جوہر مضمر ہیں، وہیں یہ فتنہ و فساد اور عجلت پسندی کا بھی آماجگاہ ہے، جس طرح اس کے مزاج میں متانت و سنجیدگی ہے، اسی طرح یہ جذباتِ انتشار و تشتت سے بھی خالی نہیں، ایک طرف اگر یہ پیکرِ اُنس و محبت ہے تو دوسری طرف بغض و حسد کا طوفان بھی، جہاں آدم کا بیٹا اپنی جان پر کھیل کر مظلوم کی حمایت کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہے، وہاں اس میں یہ عیب بھی ہے کہ اپنے معمولی اقتدار کے لئے لاکھوں بے گناہ انسانوں کا بے دریغ خون بھی بہانے سے نہیں چوکتا۔

انسانوں کے لئے مکمل ضابطۂ حیات اللہ رب العزت نے انسانی طبیعت کے افراط و تفریط ہی کی اصلاح کے لئے انبیاء و رسل کا سلسلہ قائم فرمایا، اور اپنے ان برگزیدہ بندوں کے ذریعہ انھیں اعتدال کی راہ پر گامزن کرنے کی سعی کی، تاکہ انسان روئے زمین پر قتل اور خونریزی کی جگہ امن و امان کا منادی ہو، ظلم و جور کے بجائے عدل و مساوات کی حکومت قائم کرے، اور اس زمین پر ساری بسنے والی مخلوق اطمینان و سکون کی زندگی بسر کر سکے۔

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نبی کی حیثیت سے دنیا کو جو ضابطۂ حیات عطا کیا، وہ ہر پہلو سے مکمل و جامع ہے، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے، جس کے متعلق اس ابدی ضابطۂ حیات میں مکمل رہنمائی موجود نہ ہو، یہ الگ بات ہے کہ ہم نے گہری نظر سے اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

امن و امان دنیا امن و امان کا بار بار نام لینے کے باوجود انتشار و تشتت میں جس بُری طرح پھنسی ہوئی ہے، کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں، آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں قتل و خوں ریزی سے انسانیت جس طرح کانپ اُٹھی ہے، شاید اس سے کوئی باخبر انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا، کاش اربابِ اقتدار اس

دور میں اسلام کے نظامِ امن وامان کا مطالعہ کرتے، اور دنیا میں اس نے جس طرح کے سماج بنانے کی جدوجہد کی ہے، اس پر غور کرتے تو بہت سارے مسائل خودبخود حل ہوتے نظر آتے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اسلام کا مکمل آئینِ زندگی دنیا میں اس وقت آیا تھا، جب دنیا بربادی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی، انسان اپنی انسانیت کھو چکا تھا، اور پوری دنیا سے امن وامان کا نام حرفِ غلط کی طرح مٹایا جاچکا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک موقع پر انسانوں کی جس طرح رہنمائی کی، اور انسانیت کے تنِ مردہ میں جس خوبی سے جان ڈالی وہ تاریخ کا ایک تابناک باب ہے، اور یہ کیوں نہ ہوتا جب کہ یہ خود رب العالمین کرا رہا تھا، اس خالق ورب سے بڑھ کر مخلوقات اور کائناتِ انسانی کا جاننے والا اور کون ہوسکتا ہے، جس کی نگاہ میں پوری کائنات ہوتی ہے۔

اسلام اور امن وامان | یہ دستور ہے کہ جب کسی سماج میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے، تو اس کی اصلاح بنیادی طور پر ہی کی جاسکتی ہے، اس کی ساری چیزوں کا جائزہ لیا جاتا ہے، فساد کا تجزیہ کیا جاتا ہے، اور پھر کہیں جاکر پورے ڈھانچہ کی اصلاح کا سوال سامنے آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امن وامان کی بحالی کے لئے صرف جزوی اصلاحات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنی قدرت کے پیش نظر انسانوں کے سارے روگ کی اصلاح ضروری سمجھی، چنانچہ سب سے پہلے انسانوں کو تنگ نظری، احساسِ کمتری اور انتشارِ ذہنی سے نکالا، اور اعلان کیا، کہ یہ ساری کائنات تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، سورج، چاند، ستارے سب تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، انسانیت ان تمام چیزوں سے بالا وبرتر ہے، کہ وہ ٹولیوں میں بٹ کر محدود ہوجائے، جغرافیائی حدود میں گھر جائے، رنگ وروپ کی تفریق میں پڑ کر جان دے دے، اور نسب ونسل کے تھاہ سمندر میں ڈبو دی جائے۔

فتنہ وفساد اور اس کی عمومی وجہیں | آگے بڑھنے سے پہلے اتنی بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ دنیا میں فتنہ و فساد اور قتل وخونریزی کیوں ہوتی ہے، اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ تاریخ کو

سامنے رکھ کر تجزیہ کریں گے تو آپ کو ماننا پڑے گا، کہ امن وامان کو جو چیز تباہ کرتی ہے، وہ انسان کی تنگ نظری ہے، کوئی مذہب کے نام پر تلوار اٹھاتا ہے، کوئی رنگ ونسل کے نام پر معرکہ آرائی کے لئے میدان میں آتا ہے، کوئی وطن اور ملکی حدود کو سامنے لاکر انسانی خون سے ہولی کھیلتا ہے۔

بعثتِ نبوی سے پہلے دنیا کی حالت

بعثتِ نبوی سے پہلے کی تاریخ جب ہم پڑھتے ہیں، تو سب سے پہلے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے، کہ انسان اپنی بنیادوں پر لاکھوں ٹولیوں میں بٹا ہوا ہے جس طرح سب نے الگ الگ اپنا خدا گڑھ رکھا ہے، اسی طرح اپنے اپنے قبیلہ کی حکومت بھی علیحدہ بنا رکھی ہے، عرب میں لڑائی عموماً قبیلہ کے نام پر برپا ہوا کرتی تھی، اور پھر اس کا سلسلہ برسہا برس چلتا رہتا تھا، چالیس پچاس برس تک تسلسل کا قائم رہنا کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی،

پھر کیا یہ تاریخی حقائق نہیں ہیں کہ آریوں نے طاقت پاکر، غیر آریوں کو پامال کیا اور برہمنوں اور چھتریوں نے شودروں کو دبایا، اور اُن کے حقوق غصب کئے، اسی طرح رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پایا، تو ان کو معاف نہیں کیا، اور یونانیوں نے ایرانیوں کو کمزور پاکر خوں ریزی کی، اور معصوم انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی، ہلاکو اور چنگیز نے بھی یہی کیا، تاتاریوں کا شیوہ بھی یہی رہا، فرعونِ مصر نے خدائی کا دعویٰ کر کے اپنے کو سجدہ کرایا، اور آج تک یورپ کا ایمان ہے کہ گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے

اسلام کی رہنمائی

یہ تاریخی شہادتیں ہیں کہ انسان ان خرافات میں مبتلا ہو کر امن وامان کو کھو چکا تھا، اور انسانی جان کی قدر و قیمت بھول چکا تھا، اسلام نے ضروری سمجھا کہ ان کے نظریے میں مکمل انقلاب برپا کیا جائے، انسانی رشتے ثابت کیے جائیں، انسانی خون کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی جائے، انسانی عزت و مکرمت کو اجاگر کیا جائے، اور انسان کے مال کی حرمت پر دلیل قائم کی جائے۔

انتشار و تشتت کی بنیاد کا خاتمہ

اسلام ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے پوری قوت سے انسانوں کو بتایا کہ تم سارے کے سارے ایک ماں باپ کی اولاد ہو اور سارے کے سارے ایک جان سے پیدا کئے گئے ہو، اس نے اعلان کیا

یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل — اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری ذاتوں اور قبیلوں کو رکھا

لتعارفوا اِنَّ اَکرمکمُ عند اللہِ اتقاکم (الحجرات - ۲)

تاکہ تمہارے آپس کی پہچان ہو، اور اللہ کے نزدیک تم میں باعزت وہی ہے جو بڑا متقی ہے۔

پھر اسے بھی واضح کیا کہ عورت کی پیدائش کسی الگ مادہ سے نہیں ہے، تاکہ کسی کو یہ سوچنے کا موقع نہ ملے کہ نسلِ انسانی دو مادوں سے مرکب ہے، اور اس طرح انسان دو گروپ میں بٹ سکتا ہے، قرآن نے بہت واضح طور پر اعلان کیا

یاایُّھَا النَّاس اتَّقُوا ربکم الَّذِی خَلَقَکُم من نَّفسٍ واحدۃ وَّخلَقَ منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا (النساء - ۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

خونی رشتہ اور اس کا احترام | جس کا منشا یہ ہے کہ جڑ سب کی ایک، مادہ سب کا ایک، اس لئے کہیں سے کوئی اختلاف اس سلسلہ میں پیدا نہ ہونا چاہیئے، اور سبھوں کو باہم مل کر زندگی بسر کرنا چاہیئے، اخلاق و مروت کا سلوک رکھنا چاہیئے، اور باہمی خلفشار کے قریب بھی پھٹکنا نہ چاہیئے، چنانچہ اس طرف بھی اس کے فوراً بعد اشارہ فرمایا گیا۔

واتقوا اللہ الَّذِی تَسَاءَلونَ بہ والارحام اِنَّ اللہ کان علیکم رقیبا (النساء - ۱)

اور تم خداتعالیٰ سے ڈرو، جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو، اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

یہاں قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں قرابت اور خونی تعلق کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جزء کی تشریح جو کچھ فرمائی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ انسان کسی حالت میں اس تعلق باہمی کو ایک لمحہ کے لئے فراموش نہ کرے، جس طرح آج دو سگے بھائی اپنے رشتہ کا لحاظ و پاس اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، رب العالمین کائنات انسانی کو آگاہ کرتا ہے

کہ تم سب کے سب سگے بھائی کے درجہ میں ہو، ظلم اور بے حیائی ہے اگر کوئی بھائی کسی بھائی پر بغیر کسی قانونی وجہ کے ہاتھ اٹھائے۔ قال القرطبی اتفقت الملۃ علی ان صلۃ الرحم واجبۃ وان قطیعتہا محرمۃ وقد وردت بذالک احادیث الصحیحۃ (فتح القدیر للشوکانی جلد ۱ ص ۳۸۲)

انسانی مساوات انسان اگر اس قدرتی رشتہ پر غور کرے اور اس پر ایمان لے آئے، تو غیر ممکن ہے کہ دنیا میں جو انتشار اور بے چینی ہے وہ ختم نہ ہو، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے ذہن نشین فرمایا۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا اسود علی ابیض الا بالتقویٰ (زاد المعاد ص ۲۲ ج ۴)

نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے، اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری حاصل ہے، اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، مگر ہاں برتری کا دار و مدار تقویٰ ہے۔

اس تفریق و انتشار کو مٹا کر آپ نے انسانی غرور و نخوت پر ضرب کاری لگائی اور فرمایا جو سب کے سننے کے لائق ہے۔

الناس من آدم وآدم من تراب (ایضاً)

ساری کائنات انسانی آدم کے دم قدم سے ہے اور حضرت آدم کی تخلیق مٹی سے ہے۔

اسی اوپر والی آیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ فضیلت و برتری کا سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا، اگر انسان صرف انسان کے درجہ میں ہے۔

اسلام اور احترام انسانیت اسلام ہر ایک کو اپنی طرف بلاتا ضرور ہے، مگر مجبور نہیں کرتا، اسی طرح وہ ظلم و جور کا دشمن ہے مگر انسانیت کا قطعاً دشمن نہیں، بلکہ وہ اپنے بیگانے سبھوں کی انسانیت کا احترام کرتا ہے، سب کو خدا کی مخلوق تسلیم کرتا ہے، اور سب کا رشتہ حضرت آدم سے مانتا ہے، اوپر جو آیتیں پیش کی گئی ہیں، وہ ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں، کہ وہاں خطاب کائنات انسانی کو کیا گیا ہے، جس میں بغیر تفریق ساری قومیں آجاتی ہیں۔

اسلام میں آزادی اسلام دین کے معاملہ میں کسی پر زبردستی نہیں کرتا، اور نہ کسی کو کسی خاص دین نہ

ملت میں شمول پر مجبور کرتا ہے، بلکہ وہ آزادی دیتا ہے اور آزادانہ فیصلہ کا اختیار، اس کا اعلان ہے

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (بقرہ - ۳۴)	دین میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

بات بھی درست ہے، کہ جو اپنی حقانیت میں بالکل واضح ہو، اس میں زبردستی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے، گویا اسلام اپنے اسلوبِ خاص میں تبلیغ کرتا ہے، اور ترغیب بھی دیتا ہے، مگر وہ دباؤ نہیں ڈالتا، حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

یقول تعالیٰ لا اکراہ فی الدین ای لا تکرھوا احدا علی الدخول فی دین الاسلام فانہ واضح جلی دلائلہ وبراھینہ لا یحتاج علی ان یکرہ احد علی الدخول فیہ (تفسیر ابن کثیر صنا۳۱ ج۱)	ارشادِ خداوندی ہے کہ دین میں زبردستی کا کوئی موقع نہیں ہے یعنی دین اسلام میں داخل ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہ کرو، اس لئے کہ وہ ممتاز ہے اور اس کے دلائل وبراہین روشن ہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی پر مسلمان ہونے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔

جبر واکراہ کی اجازت نہیں ہے | انھوں نے ابن جریر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بنی سالم بن عوف کے کوئی انصاری جو خود مسلمان تھے، اور ان کے دو لڑکے نصرانی تھے، وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ کیا مجھے یہ حق ہے کہ میں اپنے ان دونوں صاحبزادوں کو اسلام کے لئے مجبور کردوں، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ دین میں زبردستی نہیں ہے[1]

اس میں شبہ نہیں کہ کچھ علماء اس طرف بھی گئے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، مگر راجح بات وہی ہے، جو عرض کی گئی، ہاں یہ البتہ ضروری ہے کہ دین قیم کی آواز ہر شخص تک پہنچادی جائے جو ہر ایک مسلمان کا فریضہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جہاد کے موقع پر جزیہ کے اقرار کے بعد قتال کا حکم نہیں ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

---

[1] ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۱

"اور جہاد میں صورت دین پر بھی اکراہ کا شبہ نہ کیا جائے، کیوں کہ مشروعیت جزیہ دلیل صریح ہے کہ مقصود جہاد سے اسلام کا غالب رہنا ہے، خواہ مخالف کے اسلام سے ہو، یا صرف رعیت بننے سے ہو، اور اس نفی اکراہ سے نہی عن الاکرام بھی لازم آگئی، اس لئے بعض نے نہی کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے، یعنی دین میں اکراہ مت کرو، خوب سمجھ لو۔"[1]

ایمان اکراہ کے ساتھ ممکن نہیں ہے | قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں

لا یتصور الاکراہ فی ان یؤمن احد اذ الاکراہ الزام الغیر فعلا لا یرضی بہ الفاعل وذا لا یتصور الا فی افعال الجوارح واما الایمان فھو عقد القلب والانقیاد لا یوجد بالاکراہ او المعنی لا تکرھوا فی الدین فھو اخبار بمعنی النھی ووجہ المنع اما ما ذکرنا انہ لا یوجد الایمان بالاکراہ فلا فائدۃ فیہ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۶۰)

زبردستی اور دباؤ کسی کے مومن ہونے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ زبردستی کا مطلب ہے کسی کو ایسے کام پر مجبور کر دینا، کرنے والا جس پر راضی نہ ہو، اور یہ چیز افعال جوارح میں ہی متصور ہو سکتی ہے، باقی ایمان تو وہ قلب کا معاملہ ہے اور اس کا جھکنا ہے، جو دباؤ سے نہیں ہو سکتا ہے، یا معنی یہ سمجھئے کہ دین کے معاملہ میں دباؤ نہ ڈالو، یہ اخبار بمعنی نہی ہے، اور دباؤ سے روکنے کی وجہ یا وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا کہ ایمان کا وجود دباؤ کے ساتھ نہیں ہو سکتا ہے، پھر اس دباؤ کا کیا فائدہ۔

جہاد کا بنیادی مقصد | جن لوگوں نے کہا ہے کہ آیت لا اکراہ فی الدین آیات قتال سے منسوخ ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں

قُلتُ لا یتصور النسخ الا بعد التعارض ولا تعارض فان الامر بالقتال والجہاد لیس

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے) یہ بات تصور میں بھی نہیں آتی ہے، اس لئے نسخ کا حکم تو اس وقت کیا جاتا ہے جب تعارض ہو، اور

---

[1] بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۲

لا لاجل الاکراہ علی الدین بل	یہاں کوئی بھی تعارض نہیں، اس لئے کہ قتال و
لدفع الفساد من الارض	جہاد کا حکم دباؤ کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کا
فان الکفار یفسدون فی الارض	مقصد زمین سے فتنہ و فساد کا نابید کر دینا ہے
ویصدون عباد اللہ عن الھدی	کیوں کہ کفار روئے زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے
والعبادۃ ..... ومن ثم جعل	ہیں، اور اللہ کے بندوں کو ہدایت اور عبادت
اللہ غایۃ قتالھم اعطاء الجزیۃ	الٰہی سے روکتے ہیں..... اور یہی وجہ ہے کہ
حیث قال حتی یعطوا الجزیۃ عن	اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے قتل کی غایت اعطاء
ید وھم صاغرون، ولاجل	جزیہ بیان کی ہے جہاں کہ فرمایا حَتّٰی یُعْطُوا
ھذا نھی النبی صلی اللہ علیہ	الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صَاغِرُوْنَ، اور
وسلم عن قتل الولدان والنساء	یہی چیز ہے کہ نبی کریم صلعم نے ان لوگوں کے قتل
والمشائخ والرھبان والعمیان	سے روکا ہے جن سے فتنہ کا اندیشہ نہیں، جیسے
والزمن الذین لا یتصور منھم	بچے، عورتیں، مشائخ، گوشہ نشین اور دنیا
الفساد فی الارض	سے الگ تھلگ رہنے والے، اندھے، اور
(تفسیر مظہری ج ۱ ص ۲۸۰)	اپاہج ۔

حضرت قاضی صاحبؒ نے جس انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس کو سمجھ لینے کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہ جاتا، اور جو لوگ اسلامی جہاد سے استدلال کرتے ہیں کہ مذہب کے نام پر اسلام میں تلوار اٹھانے کی ترغیب ہے، یا اسلام بزور شمشیر پھیلا سرے سے غلط ہے، اسلام امن و امان ہی کے لئے جہاد کا حکم دیتا ہے، وہ امن و امان قائم کرتا ہے، اسے برباد کرنے کی اجازت نہیں دیتا ۔

درمیان میں ایسی بحث چھیڑنے کا منشا یہ تھا، کہ اگر کوئی مسئلہ جہاد سے شبہ میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ غلط ہے، اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ کوئی وطن کے نام پر، نسل و نسب کے نام پر، مذہب

کے نام پر انسانوں کا ناحق خون بہائے اور ملک میں برہمی اور انتشار پیدا کرنے کی ناروا سعی کرے

اسلامی حکومت میں غیر مسلم کا احترام | یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں ان غیر مسلموں کا جنھوں نے حکومت کی وفاداری کا اقرار کر لیا ہے، ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کا احترام بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک مسلمان کا احترام ہونا چاہئے، حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ان کی جان، عزت و آبرو اور مال کی حفاظت کرے، اس سلسلہ میں قانون سب کے لئے برابر ہے، جس کی تفصیل اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔

اسی طرح اسلام میں معاہدہ کا بڑا احترام ہے، کوئی حربی کافر امن لے کر اسلامی حکومت میں داخل ہو تو اس حکومت کا اور تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس پر ہاتھ نہ اٹھائے، حدیث میں آیا

من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ	جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا، وہ جنت کی
الجنۃ وان ریحھا یوجد من	بو بھی نہ پائے گا حالانکہ اس کی بو چالیس سال
مسیرۃ اربعین عاما رواہ البخاری	کی مسافت سے بھی محسوس کی جائے گی۔

(ابن کثیر ج ۲ ص۱۹۵)

مختصر یہ کہ اسلام نے دنیا کے سامنے جو امن و امان کا نظام پیش کیا ہے، وہ مجموعی طور پر ساری دنیا کو پیام امن دیتا ہے، اور اس میں تمام انسانوں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، افراط و تفریط سے پاک ہے اور اعتدال پر گامزن ہے۔

انسانی حقوق کی اہمیت اسلام میں | انسانی رشتے کے استحکام کے بعد امن و امان کی بنیاد عدل و مساوات اور انسانی حقوق کی رعایت پر ہے، اسلام نے ان امور کا جتنا اہتمام کیا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، اور جہاں تفصیل آئے گی وہاں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، کہ عدل و مساوات میں جن پہلوؤں کا لحاظ کیا گیا ہے، وہ کس قدر اہم ہیں، یہی حال حقوق کی رعایت کا ہے، انسانی حقوق کی جو رعایت کی گئی ہے، سچ یہ ہے کہ یہ رعایت کہیں اور نظر نہیں آتی۔

عدل وانصاف | اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کی صریح آیتیں مطالعہ کریں جن میں عدل ومساوات کے قوانین کا اجمالی بیان ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین لِلّٰہِ شھداء بالقسط (المائدہ - ۲)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے واسطے انصاف کرو

انصاف میں کیسی پختگی ہونی چاہیئے، اور منصف کا کتنا بلند کیرکٹر ہونا چاہیئے، ارشاد ربانی ہے،

لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھو اقرب للتقوی (المائدہ - ۲)

کسی قوم کی دشمنی تم کو بے انصافی پر آمادہ نہ کرے تم انصاف کرو، کہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب یہی بات ہے۔

پہلے حصہ میں نفسِ عدل کا وجوبی حکم ہے، دوسرے حصہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آدمی انصاف کی مسند پر جب بیٹھ جائے تو وہ صرف جج اور منصف ہو، اور تمام کدورتوں، عداوتوں اور بغض وحسد سے اس کا دل پاک اور دماغ صاف ہو، اور وہ اس طرح کی تمام باتوں کو اپنے ذہن سے نکال دے، اس کی نظر صرف انصاف اور معاملہ کے نشیب وفراز پر ہو، مقدمات کی ترتیب جس صحیح نتیجہ تک پہنچائے، وہی اس کا فیصلہ ہو۔

منصفین کو ہدایات | عدل وانصاف کے سلسلہ میں اس طرف خصوصی توجہ اس لئے دی گئی کہ آدمی عموماً جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے، اور انسانی طبیعت اسے متزلزل کر ڈالتی ہے، مگر یہ منصف کے منصب کے منافی ہے کہ وہ طبیعت کے تقاضا پر ایک لمحہ کے لئے بھی توجہ دے، حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں

ای لایحملنکم بغض قوم علی ترک العدل فیھم بل استعملوا العدل فی کل احد صدیقا کان او عدوا (ج ۲ ص ۳۰)

یعنی تم کو کسی قوم کا بغض اس قوم کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہ روک سکے، بلکہ تمہارا شیوہ یہی ہونا چاہیئے کہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرو، خواہ دوست ہو، خواہ دشمن۔

خدانخواستہ اگر کوئی منصف جذبات سے بے قابو ہو جائے اور انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو حکم یہ ہے کہ اس کی اس سلسلہ میں ہرگز کسی طرح کی حوصلہ افزائی اور مدد نہ کی جائے، بلکہ سب مل کر نیکی اور تقویٰ کا مظاہرہ اس انداز میں کریں کہ وہ منصف اپنے بے جا غیظ و غضب پر شرمندہ ہو اور فوراً اپنی غلطی کا احساس کر کے راہِ راست پر آجائے۔

عدل و مساوات پر قائم رہنے کی تاکید | پھر یہ عداوت کسی ناجائز بنیاد پر ہو، یا جائز بنیاد پر، بہر دو صورت عدل و مساوات کا دامن چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، ارشادِ ربانی ہے:

لا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا
جو تم کو حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس قوم کی دشمنی اس کا باعث نہ ہو، کہ تم زیادتی کرنے لگو

(المائدہ - ۱)

گو یہاں بنیاد جائز ہے، مگر پھر بھی انصاف سے پھرنے کی اجازت نہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی حکم ہے کہ وہ تعاون اسی صورت میں کریں، جب وہ انصاف پر قائم رہے، ورنہ ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

تعاونوا علی البرّ والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب
آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر مدد کرو، گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اس کا عذاب سخت ہے۔

(المائدہ - ۱)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ بغض کی بُنیاد کس قدر مضبوط ہے، مگر یہاں بھی انصاف کا دامن چھوڑ کر زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ شدت کے ساتھ روکا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ انصاف کے خلاف کسی صورت میں بھی تعاون جائز نہیں ہے، ابن کثیرؒ اس موقع سے تحریر فرماتے ہیں کہ عدل ہر حال میں ضروری ہے، اور ہر قوم اور ہر فرد کے ساتھ۔

فان العدل واجب علی کل احد
ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ ہر

فی کل احد فی کل حال — حال میں انصاف کرے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵)

عدل و انصاف وہ بیش بہا دولت ہے جس سے آسمان اور زمین کا نظم برقرار رہتا ہے، اور جس انداز سے اس میں کمی ہوتی ہے، دنیاوی نظام میں برہمی رونما ہوتی ہے، اس لئے اسے واجب ہونا ہی چاہیئے تھا۔

منصف کی ذمہ داری | جہاں یہ ضروری ہے کہ عدل و انصاف کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر بغض و حسد دل سے نکال ڈالے، وہیں یہ بھی لازم ہے کہ آدمی جنبہ داری اور پاسداری سے ملوث نہ ہو، بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو خود اپنے خلاف فیصلہ دینا ہوتا ہے، کبھی اسے ماں باپ کی محبت بے انصافی پر مجبور کرتی ہے، اور کبھی رشتہ داروں کا دباؤ پڑتا ہے، اسلام نے ان مواقع کے لئے خصوصی ہدایت کی ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو مگر انصاف کے معاملہ میں ذرہ برابر بھی قدم میں جنبش نہ آنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین	اے ایمان والو! انصاف پر قایم رہو، اللہ جیسی
بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم	گواہی دو، گو تمھارا، یا تمھارے ماں باپ کا،
او الوالدین والاقربین (النساء۔۲۰)	اور یا تمھارے قرابت والوں کا نقصان ہو۔

اس قانون کی عملی تشریح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی آپ دیکھ جائیں، ہر جگہ عدل و انصاف کی حکمرانی نظر آئے گی، اس عدل و انصاف میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر، اور سلطان و گدا کی کوئی تمیز نہیں ہے، قانون کی نظر میں سب برابر ہے۔

اسلام کسی کی رعایت نہیں کرتا | عہد نبوی میں ایک چوری کا واقعہ پیش آیا، جس کی مرتکب ایک مخزومیہ خاتون تھیں، جو ایک شریف اور اونچے خاندان کی چشم و چراغ تھیں، کچھ لوگوں کو خیال ہوا، کہ عزت و آبرو کا مسئلہ ہے، بڑی جگ ہنسائی ہوگی، ایسا کیوں نہ ہو کہ رحمت عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے سامنے اس کے نشیب و فراز کو پیش کیا جائے، خدا کے لاڈلے نبی ہیں، ممکن ہے کوئی صورت نکل آئے۔

قانون کی نگاہ میں شاہ وگدا برابر پہلے تو کسی کو جرأت نہ ہوئی پھر کہہ سن کر حضرت اُسامہؓ کو آمادہ کیا، یہ آں حضرتؐ کے بڑے چہیتے تھے، انھوں نے جرأتِ لب کشائی کی، مگر با ایں ہمہ آپ پر کیا اثر ہوا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے سنئے فرماتی ہیں:

ان اسامة كلم النبي صلى الله عليه وسلم في امرأة، فقال انما هلك من كان قبلكم انهم كانوا يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذي نفسي بيده لو فاطمة فعلت ذالك لقطعت يدها (بخاری اقامۃ الحد علی الوضیع والشریف)

ایک عورت کے مسئلہ میں حضرت اسامہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے اس وجہ سے ہلاک ہوتے کہ وہ سزا نیچ لوگوں کو دیتے اور شریفوں کو چھوڑ دیتے قسم ہے اس ذات کی، جس کے دستِ قدرت میں مری جان ہے اگر (جگر گوشۂ رسول) فاطمہ وہ کام کرتی تو یقیناً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹتا۔

جواب کا لب ولہجہ ملاحظہ فرمایا جائے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوا، جب آپ کے کانوں میں اس طرح کی آواز پڑی، اور کس مضبوطی سے اپنا فیصلہ سنایا، کہ اگر مری لختِ جگر فاطمہؓ بھی جرم کا ارتکاب کرتی تو اس کو بھی اس کی پوری پوری سزا دیتا۔

میزانِ عدل امن وامان اس طرح کے قانون ہی سے باقی رکھ سکتا ہے جس میں کسی کی رو رعایت نہ ہو، یہ بھی کوئی انصاف ہے کہ وزیر اعظم اور اس کے عزیزوں کے جرم کی پردہ پوشی کی جائے اور غریب کمزور افراد کو خواہ مخواہ جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، یہ ایک دفعہ بحیثیت سفیر قیصر روم کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہاں ایک موقع سے برجستہ فرمایا

"ہمارا سردار ہم میں کا ایک فرد ہے، اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں گے، اور اگر ان کے سوا وہ کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کر دیں، اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں، اور اگر زنا کرے تو سنگسار کریں، اور اگر وہ کسی کو گالی دے، تو وہ بھی اس کو اسی طرح گالی دے، اگر وہ کسی کو زخمی کرے تو اس کا بدلہ دینا پڑے، وہ ہم سب سے چھپ کر پردہ میں نہیں بیٹھتا، وہ ہم سے غرور نہیں کرتا، مال غنیمت میں اپنے کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا، وہ ہم میں ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے[1]

انصاف کا عالم یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک سفر میں صحابۂ کرام کے ساتھ تھے، اور کھانا پکانے کا وقت آیا، تو کام آپس میں تقسیم کر لئے گئے، گو آپ سب کے آقا اور محبوب تھے مگر لکڑیاں لانے کا کام آپ نے اپنے ذمہ رکھا۔

اسلامی تعلیمات اور ان کے ثمرات | پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ لوگ اپنے غلاموں کو حقیر نہ سمجھیں، بلکہ جو کھائیں، وہی ان کو کھلائیں، جو پہنیں وہی اپنے نیچے والوں کو پہنائیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں

فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم	جس کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو، اس کو چاہیئے کہ جو خود کھائے، اسے کھلائے، جو خود پہنے اسے پہنائے، اور ان کو تم ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو، اگر کوئی مشکل کام سپرد کرو، تو ان کی مدد کرو۔

(بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیۃ)

اور یہ جو کچھ تھا صرف حکم ہی نہ تھا، بلکہ یہی عمل بھی تھا، اپنا بھی اور صحابۂ کرام کا بھی، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ ایک جوڑہ یا کوئی کپڑا خریدتے تو ایک خود لیتے، دوسرا غلام کو دیتے، ایک دفعہ ایک بزرگ نے یہ حالت دیکھی تو پوچھا، کہ یہ

[1] آئینۂ حقیقت نما ص ۲۴۔

کیا بات ہے، انھوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ ایک شخص کو برا بھلا کہہ رہا تھا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا ابوذر! تم اس غریب کو برا بھلا کہتے ہو صرف اس لئے کہ وہ تمھارا غلام ہے، بلاشبہ تم میں یہ جاہلیت والی بات ہے، پھر اس کے بعد آپ نے مساوات کی تلقین فرمائی۔

صحابہؓ کا عمل و مساوات حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو ذرؓ کا یہ عالم تھا کہ اگر ایک کپڑا ملتا تو اسے دو حصوں میں تقسیم کر ڈالتے اور آدھا خود استعمال کرتے، اور آدھا اپنے غلام کو دیتے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حالت میں ان کو دیکھ کر خیریت دریافت کی، تو انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ نے ہی یہ حکم دے رکھا ہے، کہ جو تم کھاؤ، وہی ان کو بھی کھلاؤ، اور جو خود زیب تن کرو، وہی کپڑے ان کو بھی پہناؤ، آپ نے فرمایا، ہاں مرا یہی حکم ہے۔[1]

دنیا میں سرمایہ دار اور غیر سرمایہ دار کی جنگ یہیں سے شروع ہوئی، کہ لوگوں نے نیچے والوں کو ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا، اگر آج بھی اسلام کے اس قانون پر عمل شروع کر دیا جائے تو دیکھتے ہی دیکھتے مزدور اور غیر مزدور کے نام پر جتنی لڑائیاں ہیں وہ سب کی سب بند ہو جائیں۔ اور امن و امان بحال ہو جائے۔

غلام و آقا برابر اسلام کا یہی قانون تھا کہ فاروق اعظمؓ جب بحیثیت خلیفہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس روانہ ہوتے، اور غلام کو ساتھ لیا، تو ایک اونٹ ہونے کے باوجود ایسا نہیں کیا کہ خود برابر سوار رہے ہوں اور غلام کو پیدل دوڑایا ہو، بلکہ باری طے کر لی، اور دونوں یعنی امیر المومنین فاروق اعظمؓ اور آپ کے غلام باری باری سوار ہوتے اور اترتے رہے ایک سوار ہوتے اور دوسرے اونٹ کی مہار تھامے ہوتے، جب شہر قریب آیا، تو باری غلام کی تھی، غلام نے عرض کیا کہ شہر قریب آچکا ہے، اب داخلہ ہوگا، لہذا آپ اونٹ پر سوار ہو جاتے اور مجھے اجازت دی جائے کہ میں مہار پکڑ کر آگے آگے چلوں، فاروق اعظمؓ نے کہا، کہ انصاف

[1] فتح الباری ج ا صـ۸ عن الطبرانی

کے خلاف کیوں کر کیا جائے، باری تمہاری ہی ہے، تم ہی سوار ہو جاؤ، اور بالآخر یہی ہوا، کہ شہر میں اس طرح داخلہ ہوا کہ خلیفۃ المسلمین نکیل پکڑے آگے آگے چل رہے تھے اور غلام سوار تھا۔

پبلک کا احترام | امن وامان کا دارومدار زیادہ تر اسی طرح کے معیاری عدل وانصاف پر ہے، مزدوروں کے نام پر جتنی لڑائیاں لڑی گئیں، یا لڑی جارہی ہیں، ان کی بنیاد یہی چیز ہے کہ حکمراں طبقہ عوام کے ساتھ انصاف کرنے کو آمادہ نہیں، اسلامی نظام مجبور کرتا ہے کہ انصاف کے دربار میں افسر کی بھی کوئی رعایت نہ کی جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ گورنروں کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ پبلک کے ساتھ محبت وشفقت کا سلوک کیا جائے، اور ان کے حقوق غصب کرنے کا خطرہ بھی دل میں پیدا نہ کیا جائے، ساتھ ہی اپنے بیان میں جو آپ پبلک کے سامنے دے رہے تھے، عوام کو خطاب کر کے فرمایا، کہ جس کے ساتھ حکومت کے آدمی سختی کا معاملہ کریں۔ ان کا مقدمہ یہاں مرے پاس لایا جائے، میں ان سے بدلہ وصول کروں گا، یہ سن کر حضرت عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنین سے کہا "کیا آپ ایسے شخص سے بھی بدلہ لیں گے جو اپنی رعیت کو ادب دے"۔ فاروق اعظمؓ نے جواب میں فرمایا

ای والذی نفسی بیدہ الا اقصہ	ہاں بخدا یقیناً میں اس سے قصاص لوں گا اور
وقد رأیت رسول اللّٰہ علیہ وسلم	میں نے تو خود سرور کائنات صلعم کو دیکھا ہے
یقص من نفسہ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۱)	کہ آپ اپنے آپ سے قصاص لیا کرتے تھے

غیر مسلم رعایا کا لحاظ | غیر مسلم کے معابد ورسوم کی رعایت نہ کرنے سے بھی امن وامان میں خلل پڑتا ہے، چنانچہ اسلام نے اس کا بھی لحاظ رکھا ہے کہ غیر مسلم ذمیوں کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے اور ان کی مذہبی آزادی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے، اوپر اشارہ کر آیا ہوں، کہ حکومت کے وفادار غیر مسلم کا جو احترام اسلامی ضابطۂ حیات میں ہے، کہیں اور یہ بات نہیں ہے۔

امن وامان کے سلسلہ میں اسلام کے زریں اصول | اسلام نے سعی کی ہے کہ شروع ہی سے پبلک کے ذہن میں آنے والی حکومت کی طرف سے نفرت پیدا نہ ہونے پائے، اور امن وامان اور عدل وانصاف

کا دامن کہیں سے بھی تار تار نہ ہو، زمانہ جنگ میں امن وامان کی حفاظت اس طرح کی جاتی ہے، کہ کسی کو عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور گوشہ نشینوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، جو مقابلہ میں آئیں گے بس وہی مجرم ہیں، جو ان کو مدد پہنچائیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا تقتلوا ولیدا ولا امرأة — بچوں اور عورت کو قتل نہ کرو۔

(طحاوی ج ۲ ص ۱۲۷)

دشمن ملکوں کے ساتھ سلوک | یہ ہدایت لشکر بھیجنے کے وقت دیا کرتے تھے، تاکہ کسی سے زیادتی کا ارتکاب نہ ہو سکے، اس سلسلہ میں بے شمار حدیثیں منقول ہیں، حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والولدان (ایضاً) — رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے

یہ اسلام کی ہی شان ہے کہ وہ دار الحرب یعنی دشمن کے ملک پر حملہ آور ہونے کے وقت بھی ان لوگوں کو گزند پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا، جو جنگی تدبیروں میں شریک نہیں ہیں، ایک حدیث میں ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بعث سریة یقول لا تقتلوا شیخا کبیرا (طحاوی ج ۲ ص ۱۲۹) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوج روانہ کرتے، تو اسے ہدایت فرماتے کہ خدا کی عبادت میں جو لوگ منہمک ہوں ان کو قتل نہ کرنا۔

اسلامی قانون اور اس کا پاس | امام ابو جعفر طحاویؒ لکھتے ہیں

ان اھل الحرب اذا تترسوا بصبیانھم فکان المسلمین لا یستطیعون رمیھم الا باصابة صبیانھم فحرام علیھم رمیھم فی قول ھولاء و کذالک ان تحصنوا بحصن وجعلوا — حربی کافر جب اپنے بچوں کو اس طرح ڈھال بنا لیں کہ مسلمانوں کے لئے تیر اندازی بغیر بچوں کو مارے ہوئے ممکن نہ ہو تو ایسی حالت میں ان ائمہ کے قول کے مطابق تیر اندازی حرام ہے، اسی طرح اگر حربی کافر قلعہ بند ہو جائیں، اور اسی میں اپنے

نیہ الولدان فحرام علینا رمی ذالک الحصن علیھم اذا کنا نخاف من تلف صبیا نھم ونسائھم
(شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۲۵)

بچوں کو ڈال لیں، تو ہم مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ اس قلعہ پر تیر اندازی کریں اور اسے برباد کریں، اگر بچوں اور عورتوں کی جانوں کے ضائع جانے کا خطرہ بھی ہو۔

اسلام کے ان قوانین کا بغور مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگایئے کہ امن وامان کا یہاں کس قدر خیال رکھا گیا جو دین زمانۂ جنگ میں دشمنوں سے اس دوراندیشی کے ساتھ معاملہ کرتا ہو، بھلا اس میں امن کے زمانہ میں اس کی کہاں سے گنجائش نکل سکتی ہے کہ کوئی پبلک اور عوام کے سکون واطمینان کو برہم کر سکے۔

اسلام جس طرح دشمن کے بے قصور افراد کو نہیں چھیڑتا، اور وہ بھی عین لڑائی کے وقت ٹھیک اسی طرح اسلام اپنی حکومت میں ان غیر مسلموں کو بھی کسی طرح نہیں چھیڑتا، جس سے اس کی مذہبی آزادی میں کوئی خلل واقع ہو۔

آنحضرتؐ کا دشمنوں کے ساتھ پیغمبرانہ سلوک

کون ایسی اذیت ہے جو اہلِ مکہ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہنچائی مسلسل بیس سال تک جن لوگوں نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا، اور جو رات دن اسلام کو بیخ وبن سے اکھیڑ پھینکنے کی جدوجہد میں مصروف رہے، ۸ھ میں فتح مکہ کے سال جب پیغمبرِ اسلام حملہ آور کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں، تو آپ جانتے ہیں کہ اسلام نے اپنے ان دشمنوں کے ساتھ جنگ کے ایام میں کیا سلوک کیا اور بعد فتح کس طرح نوازا۔

امن وامان کا اعلان عام

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرماتے ہیں

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن ومن اغلق بابہ فھو آمن ومن دخل المسجد فھو آمن
(جمع الفوائد ج ۲ ص ۶۲)

جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امن ہے، جو اپنے دروازے بند کرلے، اس کو امن ہے اور جو مسجد حرم میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے۔

ومن القی السلاح فہو آمن (ایضاً)[۲] اور جو ہتھیار پھینک دے اس کو امن ہے۔

امن عام کا مظاہرہ اور یہ صرف اعلان ہی نہیں تھا، بلکہ اسی پر پورا پورا عمل بھی ہوا، اور اہل مکہ نے اس اعلان سے فائدہ اُٹھایا، حدیث ہے کہ جوں ہی یہ اعلان ہوا، اہل مکہ اپنے گھروں، اور مسجد حرم میں چھپ گئے، اور وہ صنادید قریش بھی، جنہوں نے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے، پورے مکہ کی آبادی میں صرف چار مرد اور عورتیں ایسی نکلیں، جو امن سے محروم رہیں، ورنہ پورے اہل مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دے دیا اور ان کے سارے قصور سے درگذر فرمایا۔

لما کان یوم فتح مکۃ امن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا اربعۃ وامرأتین (جمع الفوائد ج ۱ ص ۶۲)

فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو معاف کر دیا اور امن کا اعلان کر دیا، بجز ان چار مردوں اور ۲ عورتوں کے (جو اپنے ظلم کی وجہ سے قابلِ عفو نہ تھیں)

دشمنوں کے ساتھ عفو و کرم فتح مکہ کا دن عجیب دن تھا، قریش اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی وجہ سے بے حد خائف تھے، اور اپنی جگہ یقین کئے ہوئے تھے کہ ہم سب کی گردن ماردی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے

ثم دخل صنادید قریش من المشرکین الکعبۃ وھم یظنون ان السیف لا یرفع عنھم (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۹۳)

صنادید قریش کعبۃ اللہ میں داخل ہوتے، اور اس یقین کے ساتھ کہ تلوار ان کو معاف نہ کرے گی۔

انہی کا بیان ہے کہ جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے پھاٹک پر آکر سوال کیا ہے، کہ تم میرے متعلق کیا خیال کرتے ہو تو انھوں نے بیک زبان کہا آپ اپنے چھوٹوں کے بردبار بھائی اور اپنے بڑوں کے مہربان بھتیجے ہیں، یہ سن کر آپ نے فرمایا۔

اقول کما قال یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۹۳)

میں یوسف علیہ السلام کی طرح اعلان کرتا ہوں آج تمھارے لئے کوئی سرزنش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس اعلان کے بعد خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انھوں نے ایک نئی زندگی محسوس کی، ان کے الفاظ یہ ہیں

فخرجوا کانما نشروا من القبور (ایضاً)

وہ تمام (صنادید قریش) کعبہ سے اس طرح نکلے جیسے وہ قبروں سے نکل کر نئی زندگی پانے پر خوش و خرم ہوں۔

جس دین نے اپنے پیرو کے سامنے اپنے پیغمبر کی یہ عملی تعلیم پیش کی ہو، کون کہہ سکتا ہے، کہ اس دین سے زیادہ امن و امان کا تصور کہیں اور ممکن بھی ہے۔

ابھی زمانہ قریب میں ہیروشیما، حیدر آباد، ہندوستان اور پاکستان میں امن و امان کے خلاف جو اودھم مچی ہے اسے نگاہوں کے سامنے رکھئے، پھر معلوم ہوگا کہ اسلام کیا چاہتا ہے اور دنیا کو کیا تعلیم دیتا ہے

امن و امان اور اس کی حفاظت

اسلام نے ان تمام دروازوں پر پہرہ بٹھا دیا ہے، جہاں سے امن و امان مخدوش ہوتا ہے، اسلام ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کرتا کہ امن و امان کا حسین چہرہ کہیں سے بھی داغ دار ہو، دنیا میں اسلامی نظامِ حکومت رائج ہوتا، تو لاکھوں بے گناہ معصوم بچے، ناتواں بوڑھے، کمزور عورتیں اور دنیا سے الگ تھلگ گوشہ نشین خدا پرست افراد خاک و خون میں تڑپتے نظر نہ آتے۔

اسلامی نظام ہی کی برکت تھی کہ خلفائے راشدین کے قدم جہاں پہنچے، لوگوں نے اپنے سروں پر ظلِ رحمت قرار دیا، اور اس ملک سے ظلم و جور اور افراط و تفریط کا نام و نشان مٹ گیا۔

(باقی آئندہ)